حضرت مولانا امین الحق صاحب شیخوپورہ

سرمایہ دارانہ نظام

موجودہ معاشی بحران اور اسلام

ہر ایک جاندار میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی اور بخشی ہوئی قوت اور استعداد سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مگر انسانی افراط کا یہ جذبہ معاش وحیات کے وسائل کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اس لئے قانونِ فطرت ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا صالح معاشی نظام پسند کرتا ہے جس کی بنیاد عدل اور حقِ معیشت کی مساوات پر قائم ہو اور کوئی فرد یا گروہ کسی فرد یا گروہ کو افلاس اور احتیاج کی الجھن میں نہ ڈالے۔

سرمایہ دارانہ نظام بے رحم اور کا فرانہ اندازِ فکر کا نتیجہ | جیسا کہ قدیم عہد سے ایسے ظالم اور بے رحم گروہ کا تصور ممکن ہے جس نے غربت و احتیاج کا پھندا دوسروں کے گلے میں ڈالنا چاہا تھا۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کے تمرد اور طغیان کی بعض بیہودگیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانہ سے ایسا طبقہ ضرور موجود رہا ہے کہ دولت اور تمول کے باوجود بھی مارکیٹ میں ترقی اور اضافہ کی خواہش رکھتا تھا اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودابازی کی بنیاد پر اس طبقہ کا معاشرہ قائم رہے۔ تمام انسانی آبادی کو احتیاج میں الجھانا اس کا مشغلہ اور کاروبار تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی دعوت کے ساتھ ساتھ معاشی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا (اے میری قوم! ناپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین میں فساد مت برپا کرو۔)

اس قوم میں ظلم و زیادتی کا جو دستور تھا اسکی اصلاح کا حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کو امر فرمایا اور کسی چیز میں بھی لوگوں کے جائز حقوق کو تلف کرنے کی ممانعت فرمائی۔ قوم نے جواب دیتے ہوئے کہا (کیا تیری نماز تجھ کو یہ امر کرتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جنکو پوجتے رہے، ہمارے باپ دادے یا جو کچھ

ہم اپنے اموال میں جیسا چاہتے ہیں کرنا چھوڑ دیں۔) حضرت شعیبؑ نے قوم کو نفع کمانے سے نہیں روکا بلکہ اس بات پر توجہ دلائی کہ تمہارے کاروبار میں حلال طریقہ سے اعتدال کے ساتھ تھوڑا سا نفع بھی بہتر ہے اس زیادہ نفع سے جو حرام طریقہ سے ہے اور لوگوں کے حقوق تلف کرنے اور غربت میں مزید اضافہ کرنے کی راہ سے حاصل کیا جائے۔ قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں یہ بتلانا چاہا کہ وہ مال اور دولت کے حاصل کرنے میں کسی قید کی پابندی نہیں چاہتے۔ نیز اس کے خرچ کرنے میں کسی شرط کو روا نہیں رکھتے۔ جسطرح چاہیں دولت کو حاصل کریں اور جسطرح چاہیں صرف کریں گے۔

یہی وہ پرانا بے رحم کا فروں کا اندازِ فکر ہے جس نے جدید نظریات میں یہ صورت اختیار کرلی ہے کہ معاشی نظام کو صرف اس لئے قائم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہ ہوسکے۔ یہ نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا بانی ہے اور اس کے زیر سایہ سرمایہ دارانہ نظام پھلتا اور پھولتا ہے۔

ظالمانہ معاشی نظام سرمایہ داری | آجکل عالم کا سب سے اہم باب معاشی نظام کا باب سمجھا جاتا ہے۔ اور متمدن دنیا کے زیادہ تر مشہور دو نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت، باہم متحارب اور متضاد نظام ہیں اور تیسرا نظام افراط و تفریط سے الگ عقلی اور فطری اصول پر مبنی اعتدال کو لئے ہوئے اسلام کا معاشی نظام ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد اسطرح آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے۔ جس میں حرام و حلال جائز و ناجائز ظلم و عدل جبر و مواساۃ میں فرق اور امتیاز کئے بغیر جسطرح بھی ممکن ہو دولت کو جمع کیا جائے۔ اور دولت کی طاقت پر جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ نفع ممکن ہوسکتا ہے حاصل کیا جائے اور اس نفع میں مزدور کو جتنا بھی کم دیا جاسکتا ہے دیدیا جائے اور استحصالِ دولت اور مزدور کی محنت میں معتدلانہ توازن کو کچل دیا جائے اور مزدور کا منہ بند کر دیا جائے تاکہ سرمایہ دار جن راہوں سے چاہے مزدور کو ان راہوں سے پھنسائے اور تباہ کردے اور سرمایہ دار کی حکومت اور برتری کے شکنجہ سے کسی وقت بھی مزدور کیلئے نکلنا آسان نہ رہے۔ اس نظام کی اہم بنیاد سود اور اجارہ داری پر قائم ہے۔ تمام بنک اور سودی کاروبار کے دوسرے شعبے اسی کے لئے ہیں۔ اور یہی سرمایہ دارانہ نظام کا مقصودِ حیات ہے۔ اس نظام میں سرمایہ بڑھانے کیلئے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں ہے۔ بنی نوع انسان کی صحیح ہمدردی تعاون اور امداد باہمی کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے اس میں قطعاً مفقود ہے۔ سود ہو یا قمار بازی جسطرح بھی

دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس نظام کا حسین اور پسندیدہ شعبہ ہے۔ اور جسطرح اس نظام میں دولت حاصل کرنے کی شرط اور قید نہیں ہے اسی طرح دولت کے خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندی کا التزام نہیں ہے جسطرح کی عیش وعشرت کیلئے چاہو دولت خرچ کرو اور دولت کی فراوانی سے عالمی سیاست پر قبضہ کرلو۔ سرمایہ دارانہ نظام یورپ کی یہودی خصلت کی پیداوار ہے۔ سود اور اجارہ داری اس کے بنیادی اصول ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا تمام تر انحصار قومی قرضوں پر ہے۔ بنک قائم ہوئے اور مالی کاروبار کو اس طرح قائم کیا کہ سود پر حکومتوں کو قرضے مہیا کرنے لگے اور یہ قرضے اور بنکوں کا زیادہ تر کاروبار سود کی اساس پر چل رہا ہے۔ جس سے اسلام شدید اور صریح احکام میں اختلاف کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کاروباری مسابقت (آگے نکل جانا) خاص خصوصیت ہے۔ چھوٹے پیمانہ کے کاروباری ادارے یا تباہ ہو جاتے ہیں یا سب مل کر مقابلہ کے میدان میں مسابقت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ تمام دولت کو سمیٹ کر اپنے لئے مخصوص کرلیں اور انکی اجارہ داری دولت پر قائم رہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسطرح کے تخصص اجارہ داری کی ممانعت فرمائی ہے۔

مسلم شریف اور ترمذی شریف کتاب البیوع میں مذکور ہے (حضورؐ نے ارشاد فرمایا احتکار کرنے والا اجارہ داری قائم کرنے والا گنہگار ہے) اسلام سرمایہ داری کی دونوں بنیادوں کا اصولاً مخالف ہے، اس لئے ہمیں یقین کرلینا چاہئے کہ اسلام سرمایہ داری کا تحمل اور حمایت نہیں کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ سرمایہ داری کی بدولت دنیا ترقی کی نئی منزلوں سے آشنا ہوئی ہے مادی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ نقل وحمل کے وسائل بہتر ہوسکتے ہیں اور مزدور کو محنت کیلئے وسیع اور زیادہ نفع بخش میدان مل سکتا ہے اور اس کا معیار زندگی پہلے سے بلند ہوسکتا ہے۔ لیکن انسانی نشو و ارتقاء کے مقصد عظیم اخوت اور مفاد عامہ کے اصول کے پیش نظر یہ سب فریب اور سراسر دھوکہ ہے اس طرح کی اجارہ داری اور کمپنی کی شکل میں حرص انگیز معاملہ تجارتی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اور قوموں اور افراد کی باہمی عداوت اور استحصال بالجبر اور عام آبادی کو چند مخصوص سرمایہ داروں کے غلام بنانے میں اہم اور اولین بنیاد ہے۔ اور اسی نظام نے اقتصادی ترقی کے نام سے اطراف عالم کے کونے کونے میں بے اطمینانی اور شر انگیزی اور مہذب ڈاکہ زنی کو عام کردیا ہے۔ جب سے صنعت وحرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور کلوں کے قبضہ میں آگئی ہے تو سرمایہ داروں کیلئے دولت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ سرمایہ داروں نے

ملیں اور کارخانے قائم کئے اور اپنے جیسے انسانوں مزدوروں پر آقائی کے پھندے ڈالے مزدوروں کی جان و آبرو پر قابض ہو گئے اور حیوانوں کی طرح مزدور کو اپنے مفاد کی قربانگاہ پر چڑھانا سرمایہ دار کی خوشحالی اور کامیاب مقصود زندگی ہے ، سرمایہ داری کے قہر و تسلط نے ایسے ارباب تہذیب و تمدن کے ذہنوں کو اور ضمیر کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ غلامی کو لعنت کہنے اور اس کے خلاف بڑے زور سے پروپیگنڈا کرنے کے باوجود غلامی کے اس اقتصادی جال کی نہ صرف تحسین کرتے ہیں بلکہ اس کو سراہتے ہیں اور اسکی بندشوں کو قانون اور ضابطہ کی راہ سے زیادہ سے زیادہ مضبوط کرتے ہیں۔ دولت پر سرمایہ داری کے قبضہ کے بعد مزدور کے حاصل کرنے میں بڑی آسانی اور مدد مل گئی اور مزدور کی مجبوری اور اضطرار نے اس کا نرخ گرا دیا ہے اور اس بات کے باوجود کہ مزدور کی محنت نے دولت تجارت صنعتی کاروبار میں بے پناہ اضافہ کیا بلکہ مزدوروں کی محنت اور دولت کی پیدا وار اور اس میں اضافہ کی ذمہ دار ہے ۔ مگر سرمایہ دار نے مزدور کی اجرت میں اضافہ نہیں کیا اور اس کے ضروری لوازم حیات کا احترام اور قدر نہیں کرتے ، مزدور سے زیادہ سے زیادہ محنت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کم سے کم محنت کا حق دیا جاتا ہے۔ مزدور کی اس قدر اجرت پر سرمایہ دار کبھی راضی نہیں ہوتا جس سے اس کیلئے معقول زندگی گزارنا ممکن ہو جائے ۔ مزدور کی محنت کا اکثر و بیشتر نفع سرمایہ دار کارخانہ دار ہتھیا لیتے ہیں اور مزدور مرتے دم تک مزدور رہتا ہے ۔

صنعتی کاروبار | صنعت و حرفت معاش کے پاکیزہ ذرائع ہیں۔ اسلام مفاد عامہ اشتراک و تعاون کے اصول پر کسی ایک فرد یا متعدد افراد کے سرمایہ سے شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر ملوں اور کارخانوں کے چلانے کا انکار اور مخالفت نہیں کرتا ہے ۔ اسلام ایسے معاملہ کو صحیح اور جائز تسلیم کرتا ہے کہ ایک طرف سے سرمایہ ہے اور دوسری طرف سے عمل اور محنت ہے مگر اسکی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یا تو حسب سرمایہ منافع میں شریک ہیں اور یا سرمایہ اور محنت بحصہ مساوی یا حسب معاہدہ منافع میں شریک ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے مشورہ سے اپنے دونوں بیٹوں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور عبید اللہ بن عمرؓ سے منافع میں آدھا لیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے سرمایہ کے عوض حضرت یعقوبؒ سے آدھا لیا تھا اور یعقوبؒ کو محنت کے عوض منافع میں آدھا دیا۔[1]

---

[1] موطا امام مالکؒ کتاب القراض ۔

ابو عمرؒ فرماتے ہیں کاروبار کے اس طریقہ کی صحت وجواز پر علماء کو اتفاق ہے کہ ایک فریق کی دولت ہے اور دوسرے فریق کی محنت اور عمل ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے آثار اور احادیث اسکی مؤید ہیں [۱]

سلف کے عہد میں مشینوں کے ذریعہ اور کارخانوں مزدوروں اور فنی ماہرین کی خدمات کے توسط سے مصنوعات کی تیاری اور فروخت کا عام رواج مجھے معلوم نہیں ہے جیساکہ عہد حاضر میں رائج ہے اس لئے میں نہیں جانتا کہ فقہاء نے شرکت اور مضاربت کے اصول کا صنعتی کاروبار پر اطلاق کیا ہے، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ صنعتی کاروبار کی تنظیم سے معاشرہ کے ضروری مفادات وابستہ ہیں بلکہ کفالت عامہ دفاع اور دوسرے اہم امور کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ اور روزی کمانے اور پسندیدہ مقاصد کے حاصل کرنے کا عمدہ اور نیک ذریعہ ہے۔ عہد حاضر کی معیشت میں تجارت وغیرہ کاروبار سے صنعتی کاروبار زیادہ اہم اور زیادہ مقدم ہے۔ لہذا اس کے ضروری اور مستحسن ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اگر سلف کے عہد میں مشینوں کے ذریعہ صنعتی کاروبار کا عام رواج ہوتا تو کسی دریغ اور تامل کے بغیر اس پر مضاربت کے اصولوں کا ضرور اطلاق کرتے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے پیداوار عملی کی مثالیں دی ہیں اور ان کے جواز کو تسلیم کیا ہے۔

عملی پیداوار کی مثالیں مثلاً امام محمدؒ فرماتے ہیں مضاربت میں کاروباری فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی زمین کرایہ پر حاصل کرے اور مضاربت کے سرمایہ میں سے گیہوں خریدے اور اس زمین میں کھیتی کرے اور اسطرح اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ اس زمین میں کھجور یا کسی اور چیز کے درخت لگائے یہ سارے کام جائز ہیں اور دونوں کے درمیان ایسے کاروبار کا نفع بھی ان شرط کے مطابق تقسیم کیا جائیگا جنکو طرفین نے طے کیا تھا۔ کیونکہ یہ بھی نفع کمانے کے طریقے ہیں [۲]

مشینوں اور کارخانوں کے ذریعہ صنعتی کاروبار میں سرمایہ محنت اور ذرائع تینوں کو کمانے اور منافع حاصل کرنے میں دخل ہے۔ سرمایہ اور محنت میں مساوی حصہ ہونا چاہئے اور اگر دوسرے لوازمات میں بھی سرمایہ دار کے ساتھ مزدور شریک ہوتا ہے تو مزدور سے سرمایہ دار کا

---

[۱] زرقانی ص ۳۲۲ ج ۴ [۲] بدائع صنائع ص ۸۸ ج ۶ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۵۳ ج ۳

حصہ قطعی زیادہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر لازم اور ضروری مصارف کو صرف سرمایہ دار برداشت کرتا ہے تو مزدور کو منافع کا تیسرا حصہ دیا جائے۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے سرکاری زمینوں کا معاملہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ اگر زراعت کے آلات وغیرہ بھی مزارعین کی طرف سے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ کا تیسرا حصہ ہے اور ان کے دو ثلث ہیں اور اگر حضرت عمرؓ بیج دیتے ہیں تو آپ کا آدھا حصہ ہے اور اگر تخم اور آلات وغیرہ حضرت عمرؓ دیتے ہیں تو ان کا تیسرا حصہ ہے اور حضرت عمرؓ کے دو ثلث ہیں۔[1]

کارخانہ دار اور مزدور کا باہمی تعلق کس اصول پر ہو؟ غرض یہ ہے کہ حصہ داری مئونت کی بنیاد پر ہونی چاہیئے خواہ مئونت مالی ہے یا بدنی۔ اگر کارخانہ داروں اور مزدوروں میں حصہ داری کے اصول پر منافع کی تقسیم کی جائے جو شرعی اور منصفانہ طریقہ ہے تو کسی وقت بھی سرمایہ دار اور مزدور کیلئے جنگ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

دوسری صورت کارخانہ داروں اور مزدوروں کے درمیان اور امداد باہمی کے اصول کے پیش نظر یہ کہ سرمایہ اور محنت میں ایسا معتدل توازن قائم رکھا جائے کہ مزدور سرمایہ دار کے گلوگیر بھی نہ ہو اور دولت پر صرف سرمایہ دار کی اجارہ داری نہ رہے کہ دولت صرف سرمایہ دار کے گرد گھومتی رہے اور محنت کی قدر و منزلت اور اس کے حق کا احترام و تقدس نظر انداز کیا جائے۔

اسلام میں مزدور کی محنت کا تحفظ اور اسکی قدر و منزلت اسلام نے محنت اور مزدور کا مقام بلند کیا ہے اور اس کے حق الخدمت کے احترام اور حفاظت کا امر فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میری قوم کے لوگ جانتے ہیں کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کی کفالت سے عاجز نہ تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں۔ لہذا ابوبکرؓ کے گھر والے اب بیت المال سے کھائیں گے اور اس کے بدلہ مسلمانوں کے اموال ان کے مصالح ان کے احوال کی تنظیم وغیرہ امور کی نگرانی کریں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں صحابہؓ خود محنت کرتے تھے تو پسینہ کی بدبو آتی تھی اس لئے ان سے کہا گیا کہ کاش تم غسل کیا کرتے۔ حضرت مقدامؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاک کھانا نہیں کھایا۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔[2]

---

[1] فتح الباری ج ۵ ص ۹ [2] بخاری کتاب البیوع ج ۱ ص ۲۷۸

اسلام کی حلقہ بگوش عظیم شخصیتوں کا معاش محنت اور عمل پر رہا۔ اسلامی سوسائٹی کے اولوالعزم ممبر صحابہؓ محنت و عمل سے روزی کماتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے محنت و عمل کی روزی کو سب سے اونچا اور بہتر رزق فرمایا۔ اس لئے اس بزرگی و احترام کے نظریہ کے تحت اسلام مزدور کی محنت اور عمل کی اجرت کو مقدس حق قرار دیتا ہے۔ اور اس کے صحیح اور درست اندازہ اور اداکرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور محنت کرنے والوں کو پورا پورا حق اور نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس نے بھی محنت کار کو اسکی محنت کا صحیح متوازن حق نہیں ادا کیا ہے تو وہ اللہ سے لڑائی مول لیتا ہے۔

ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ میں قیامت کے دن خود ان سے نمٹنے والا ہوں۔ ایک وہ شخص ہے جس نے میری قسم کھاکر زبان دی اور پھر اس سے مکر گیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جس نے آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھا گیا۔ اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے پورا کام لیا اور اسکی پوری محنت کا پورا اجر نہیں دیا۔[1]

مزدور کی محنت کا متوازن اجر نہ دینا اور اپنی دولت میں مزید اضافہ کے خیال سے محنتکار کی مجبوری سے اس ذہنی خباثت میں فائدہ اٹھانا انسانیت کے ساتھ خیانت اور غداری ہے۔ اسلام محنت کار کو سماج میں ایک اہم مقام دیتا ہے اور اسکی محنت اور مادی ضروریات کے لحاظ اور نسبت پر اس کا پورا بدل اور اجر قرار دیتا ہے۔ اگر مزدور کی محنت کا اجر اسکی لازمی ضروریات کو پورا نہیں کرتا اگر اسکی محنت سماج میں بربادی اور ذلت سے اسکی حفاظت نہیں کرتی تو اسکی محنت کشی کا تمام مفاد صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ وہ سرمایہ دار کی دولت میں برابر اضافہ کرتا رہے اگرچہ خود موت کے قریب سے قریب تر ہو جائے اس سے زیادہ انسانیت کی توہین اور بے حرمتی اور کیا ہوگی۔

حضرت زبیرؓ بن العوامؓ اور حضرت ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر مزدوری کر لیا کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے۔[2]

---

[1] بخاری شریف کتاب الاجارۃ ص ۳۰۲ ج ۱　[2] بخاری شریف کتاب البیوع ص ۲۷۸ ج ۱

رسالت مآبؐ کا منشاء یہ ہے کہ محنت مزدوری ضروریات کی تکمیل رفع حاجات اور معاشرہ میں مانگنے سے محفوظ ہونے کیلئے ہے۔ اگر محنت کشوں کی مؤنت ان مقاصد کو حاصل نہیں کرتی اور سرمایہ دار برابر ان کی محنت کا خون چوس رہا ہے تو محنت کار کیلئے سوا اس کے اور کیا چارہ ہے کہ یا تو اہل وعیال کا گلا گھونٹے یا سرمایہ دار کی دولت کو لوٹے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مارکس کا نظریہ اشتراکیت اسی ردّ عمل کا رہین منت ہے۔

مزدور کی اُجرت کیا ہونی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ محنت کار کی صحیح اور پوری مزدوری یہ نہیں ہے جو سرمایہ دار نے اس کے لئے رکھی ہے اور مزدور نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اگر سرمایہ دار مقررہ مزدوری اس کو ادا کرتا ہے تو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مزدور کو اس کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ محنت کار کی پوری اجرت یہ ہے کہ اسکی محنت اور عمل کے منافع کے ساتھ اس کا مناسب توازن رہے جیسا کہ بازار میں اشیاء کا نرخ متوازن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بازار کے متوازن نرخ پر خواہ کوئی زیادتی کرے یا اس سے کم نرخ پر بیچے تو ارباب سیاست کا فرض ہوتا ہے کہ مفاد عامہ کے تحفظ اور عام ضروریات زندگی کی بسہولت تکمیل کے لئے اس میں دخل دے اور بیجا نفع اندوزی پر قدغن لگائے اور ضرر کے ازالہ اور مفاد عامہ کے تحفظ کی ضروری تدبیر کرے اور بازار کے متوازن نرخ کو خرابی سے بچائے۔

نرخوں کے توازن کا لحاظ۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: حاطب بن بلتعہؓ بازار میں منقے بیچ رہے تھے، حضرت عمرؓ کا آپ پر گذر ہوا اور فرمایا یا تو اس کا نرخ بڑھا دو یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔[۱] نرخ بڑھانے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ مثلاً ایک درہم کے بدلہ جس مقدار کا منقی دے رہے تھے۔ اس مقدار کو بڑھا دو۔ ابن رشدؒ نے یہی کہا ہے۔ اور یا یہ معنی ہیں کہ ایک درہم کے بدلہ جس قدر منقے دے رہے تھے اس مقدار کو کم کر دے جیسا کہ دوسرے بعض حضرات نے کہا ہے۔ دونوں صورتوں میں بازار کے متوازن نرخ کو نقصان پہنچ رہا تھا اور مفاد عامہ کو نقصان کا خطرہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے آپ کو مذکورہ توبیخ فرمائی ہے۔ امام محمدؒ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ اثر کے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میرا اور ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تسعیر کو جبراً روکا جائیگا۔[۲]

---

[۱] موطا امام مالک کتاب البیوع [۲] موطا امام محمد کتاب البیوع

فقہاء نے لکھا ہے حاکم اس وقت تک نرخ میں مداخلت نہ کرے جبتک ارباب نرخ قیمت کی گرانی میں زیادتی پر نہ اتر آئیں۔ اس وقت امام کو اہل الرائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کرنا چاہیئے۔ ؎

غرض یہ کہ جسطرح کے اصول اور حالات میں حکومت کو نرخ مقرر کرنے میں مداخلت کرنا لازم ہے اسی طرح انہی اصول اور حالات کے تحت اجرتوں اور معاوضوں کا حکومت کو تعین کرنا چاہیئے کہ اسلام کے قانون اقتصاد و جماعتی فلاح و بہبود کے قوانین کے مطابق ملوں اور کارخانوں کو جائز اور صحیح استعمال کے طریقے پر رکھے۔ اور ارباب دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ مزدوروں کو اپنی مشین کے پرزوں ہی کیطرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلہ بنالیں کہ ارباب دولت مذموم سرمایہ داری کی حد تک نہ پہنچ سکیں۔ اور مزدور حیوان اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی تعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی معزز انسانوں کی طرح حاصل کرسکیں۔

اس لیئے کہ جنس محنت کی قیمت وصول نہیں کرتا، کارخانہ دار چالاک ہے اس کے ہتھکنڈے بڑے اور گہرے ہیں۔ مزدور مفلس اور فاقہ کش ہے۔ سرمایہ دار اس کو محنت کی کم سے کم قیمت پر راضی کرلیتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ اس نے اس کو مجبور نہیں کیا۔

مزدور کی مجبوری سے فائدہ نہیں لیا جاسکتا مزدور اس اضطراری اجرت کو بمجبوری قبول کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ بدحال مزدور اس سے بھی کم اجرت پر کام کرنے پر تیار ہوجائے۔ اور اس پر ستم یہ کہ مزدوری کم سے کم دی گئی ہے اور کام زیادہ سے زیادہ لیا گیا ہے اور مزدور ناداری اور تنگ حالی کے اضطرار میں سب کچھ منظور کرلیتا ہے لیکن یاد رہے کہ اسلام اس اضطراری حالت میں حاجتمند کی رضامندی کو اسکی مرضی تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اور سرمایہ دار کے ایسے پھندوں کو ظلم قرار دیتا ہے۔

چنانچہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: پس اگر مال میں زیادتی چاہنا ایسے کام کے ذریعہ سے ہے جسکو لوگوں کی معاونت میں دخل نہیں ہے جیسے قماربازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہے جو زبردستی کے معنی کے ساتھ مشابہہ ہے جیسے سود۔ کیونکہ تنگ دست آدمی مجبور ہوکر ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے جس کا ایفاء نہیں کرسکتا اور اسکی رضامندی حقیقت

؎ ردالمحتار جلد ۵ باب الحظر والاباحۃ

پر رضامندی نہیں ہوتی ہے۔ پس یہ عقود پسندیدہ عقود اور اسباب صالحہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدینہ کے اعتبار سے ایسے عقود باطل اور حرام ہیں ۔[۱]

سرمایہ داروں کی استبدادی دست درازیوں سے حکمت مدینہ کو حرام اور خبیث معاملات کی تباہی سے بچانا اگر حکومت کا حق اور وظیفہ نہیں ہے تو پھر کون اس کو انجام دے گا۔

سرمایہ داروں کو کیا کرنا چاہیئے اگر کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں نے اسلام کے معاشی اصول وضوابط کو نہیں اپنایا اور جابرانہ روش کو تبدیل نہیں کیا اور محنت کاروں کے ساتھ تعاون اور امداد باہمی کے معاملہ کے روادار نہیں ہوتے تو کوئی بعید نہیں اور کچھ بھی تعجب نہیں ہوگا کہ سرمایہ دار کے تبختر اور بے رحمی کی پاداش میں ملک کے اندر فتنہ اور فساد کا ایسا عظیم انقلاب اٹھے گا کہ سرمایہ دار کو مزدور کی جگہ اٹھا کر کھڑا کر دے اور اسکی جگہ مزدور کو بٹھلائے۔ آج اگر سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کا خیال اور حرص چھوڑ دے اور منافع کے قلیل حصہ سے محنت کشوں کو مطمئن کر دے تو اس کے لئے ہزار بہتر ہے تاکہ پُر خطر انقلاب کی گردش سے محفوظ ہو جائے ورنہ اس طرح کی خساست اور بخیلی کی سزا میں سرمایہ دار کے لئے ایسے نوازل کا اہم خطرہ ہے جس سے اس کا تمام سرمایہ بچاؤ نہیں کر سکے گا۔

حافظ اندلس امام شاطبیؒ بدعات مصالح مرسلہ اور استحسان کے مابین فرق کرتے ہوئے پانچویں مثال میں لکھتے ہیں: جب ایسے امام کو جسکی اطاعت واجب ہے، لمبے چوڑے ملک میں دفاع اور سرحدات کی حفاظت اور استحکام کیلئے فوج میں اضافہ کی ضرورت ہے اور بیت المال میں فوج کی ضروریات کی کفالت کی گنجائش نہیں ہے تو عادل امام کا یہ حق ہے کہ ملک کے دولتمند طبقات پر اس قدر محاصل عائد کر دے کہ وقت کی ضروریات کیلئے کافی ہوں اور کسی خاص مالدار طبقہ کو عوائد کیلئے مخصوص اور کسی کو مستثنیٰ نہ کرے تاکہ اس تخصص سے قلوب میں نفرت نہ پیدا ہو۔ اور محاصل کا اسقدر بوجھ نہ ڈالے کہ اسکی مقدار ناقابل برداشت بار ہو جائے۔ اگر عادل امام یہ طریقہ اختیار نہ کرے اور ملک کے متمول طبقات ایسے محاصل کو برضا و رغبت قبول نہ کریں تو یہ خطرہ لاحق ہوگا کہ کسی وقت بھی کفار کے نرغہ میں تمام ملک آجائے، اس وقت جو عظیم مصیبتیں نازل ہوں گی ان کے مقابلہ میں باخبر اور ہوشمند لوگوں کے نزدیک دولتمندوں کی تمام دولت کی بھی

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق

باقی صفحہ ۲۲ پر